

# نہ دِل کو راہ پر لائے

کنیز نبوی

# عکس اول

اس نے دھندلائی نظروں سے دور ہوتی عنینہ  
عارف کو دیکھا، جو اسے ناکروہ گناہ کی سزا سنائی تھی۔  
سیف مصطفیٰ نے آنکھیں موند کر نبی کو اندر  
دھکیلا اور لب بھیج کر ہاسٹل سے باہر نکل آیا۔  
واپسی کا سفر ہمیشہ تھکا دینے والا ہوتا تھا مگر ان

اس نے تو اب تنہا کی زندگی میں محبت کو ہمیشہ  
مہمان بنی دیکھا تھا مگر اس لمحے جب زندگی کی بساط پر  
محبت کے مسوں نے جبر جہالی اور وہ چھوڑے کی چال  
چلی تو اسے پہلی بار ہکا چلا کہ محبت خاتم بھی ہو سکتی  
ہے۔

## ناولٹ





مرشدی بھی ہوتی ہو اس کے رگ و پے میں دوڑتی رہتی مگر وہ اس کا سفر عمل کر دینے والا تھا کہ ہر بار ہی نہیں بیٹ ان کے بچا اور ادا کرنے کی تیاری پکڑے ہوئے تھے۔

سیف مصطفیٰ نے بیٹ کی طرح گاڑی میں بیٹھ کر سرفراز اور دو کچا جال اکٹھے کر دیے اور اپنی طرف سے اس کی سرکراہٹ سے بے خوف موجود ہوا۔ مگر ان دنوں تو جانتا ہوا تھا کہ انھوں میں ملن کی آپس کے مسکراتے ہوئے ہونٹ وہ خوب صورت وجود کہیں بھی نہیں تھا اسے نہایت پرہیزگار نظر آیا اور ایک دھندلا سا

ہنس پڑا تو ہوا اسے بھی مل سکتا ہے اور ساہجہ ہوا۔ وہ ہنس رہا تھا اس نے گاڑی اشارت کی۔ اس کی آنکھوں میں چمکی نمی لب گالوں پر چھو رہی تھی۔

اور جب اس نے بیٹ کی طرح سرفراز کو دیکھا تو اس سے عزیز و عارف کا دل چاہا۔ وہ سامنے آ کر اسے چاکر رک جانے کو کہے اور ڈراگت مدام میں اس کے سامنے بیٹھ کر خود سے کیا ہوا اقرار و ہر اسٹ۔

سیف مصطفیٰ لانا کہ تم اس معاشرے کے مرد ہو مگر میں عورت کی انفرادی وفاق وارث تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی کہ عورت کی یہی کنوری ہے۔ وہ چاہتی نہیں پوجتی ہے اس کا محبوب عام سا مرد ہو کر بھی اس کے لیے دیوتا کا درجہ رکھتا ہے اور یہی لغزش خیال اس کو کہیں کا نہیں چھوڑتی۔

مگر اس سے پہلے کہ وہ سیف مصطفیٰ کو ہلاتی اس کی آنکھوں کے میں پڑی اور اس کی آنکھوں کے سامنے دھند چھا گئی۔ نکل پر پڑے ہول جو مہر چمکے تھے۔ سامنے کے وجود کی طرح آنسو اس کے رخساروں پر سے تو بھرے جھلکاؤں کی ہوتی وانی کے پھر پھرتے درق مارے منظر واضح ہونے لگے۔

سیف مصطفیٰ کو بھول گئی۔ اپنی محبت کی تپسوا کو

بھول گئی۔ بھول گئی یہ بات بھی کہ وہ محبت کی تپسوا تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے سما کر چہرے کی اوجھل کھلی آنکھیں پچھنے ہوئے ہونٹ اور ابھرا ہوا ہوشیار شہید چادر میں بھی لٹایا تھا۔

اس کی سسکیاں آہستہ آہستہ بلند ہوتی گئیں۔

”وہیں نہیں سیف۔“ مطلقاً اس قدر اچھا نہیں کر سکتی تم ہی تو اس معاشرے کے مرد و عورت اندر کا مجھے کیا تھا۔ محبت کے پنے آنکھوں میں چھائے والی بھولی بھالی لڑکیاں کیا جانیں شکاریوں کی نیت کا تو یہ ہماری یہ بے علمی ہی تو ہمیں کھا جاتی ہے۔“ اس نے اضطراب سے سر کیسے پر پٹا اس کی آنکھوں میں مٹی کا ایک ایک ٹکس روشن تھا۔

وہ دن بڑا خوشگوار تھا جب وہ اماں جان اور بابا جان کی فوج اکٹھی پر ایل ایم سی جہاز ٹھہرے وہیں داخلے کے تلی تھی۔ حیدر آباد سے واپس گاڑی چلتی تو اماں اس خبر سے ہی نہال ہو گئے تھے کہ اس کی بیٹی کو سینہ نکل میں داخلہ مل گیا ہے۔ وہ اسے خوشی سے چومتی اور بات بے بات مسکراتیں تو ریمیں عارف نگاہانی دیکھتے سے مسکرا دیے تب علی عارف دوہوں ہاتھ مہر پر رکھ کر باپ کو شرارت سے دیکھتی اس سے پہلے کہ وہ بیٹھ کی طرح اکتی۔

”بابا جان بھل کر بیٹھے۔“ ریمیں عارف تھپتھپا کر ہنس پڑے جیسے شرارت کرتے پکڑے گئے ہوں۔

اور اس نے بیٹھ کی طرح بیٹھے ہوئے باپ کے گلے میں یا نہیں ڈال دیں۔

”بابا! آپ اماں کی باتوں پر یوں چپکے چپکے مسکراتے ہیں بہت اچھی لگتی ہیں نا اماں آپ کو؟“

”ظاہر ہے عمر گزار دی ہے اس کے ساتھ۔“ ریمیں عارف نگاہانی کے لبوں پر مسکراہٹ اور گہری ہوجاتی۔

”بہت چاہا ہے نا آپ نے اماں کو۔“ بابا اس نے شرارت سے آنکھیں پھیلائیں۔

”ایڈی وڈی مٹی گئی ہے پر چوہاں چوہی رہی۔“ اصل ڈھکی جوڑ تھی۔ ”(اسی بڑی ہو گئی ہے)“ باب کے ساتھ چلتی رہتی ہے۔ اصل گائے کی گائے) مائتہ بیٹی کی باتوں پر جڑ پڑھ کر رہیں۔

”بابا دیکھیں اماں میںوں کیا کھندی پئی اسے۔“ اس نے منہ پور کر کہا تو ریمیں نے ہنس کر اسے اپنے ہاتھ لگایا۔

”آپ کی یہ چاہ داری مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتی۔“ مائتہ نے بڑبڑا کر کہا۔

”تمہاری ماں سے اختلاف نہیں کر سکتا۔“ بابا نے ہنس ہاتھ کی شہادت کی انگلی اپنے دل پر رکھی۔

”بابا! اماں آپ کی بیٹی تو ہمیں اور آپ کے ہی گھر رہتی تھیں دادا نے ہی پرورش کی پھر آپ دونوں کے بچ تو کوئی ظالم سماج نہیں تھا نا؟“ اس نے چپکے سے باپ کے کھن میں کہا تو ریمیں عارف ہنس کر دھیرے سے بولے۔

”ہنس رہا انصیب سے ڈر گیا تھا۔“

”موتی یہ کیا کھسر پسر کر رہی پئی ہے بچہ جے کن ہو۔“ (موتی یہ کیا کھسر پسر کر رہی ہو باپ کے کان میں)۔ ماں نے کہا تو اس کے بھائی نے بھی پیچھا۔

”کیا موتی کیا کھندی پئی اسے نہ۔“

”دیکھ فیروز خان! میڈی دھکی کو تو کچھ نہ کہہ۔ نت میں تھپا دانا پانی بند کر چھوڑ سلاں۔“ ریمیں عارف نے بیٹے ہوئے بیٹے کو دھکایا۔

”بابا! یوں تو کہہ ایساں دے سامھوں۔ اسے پہلے اتنا ہر پڑھ گئی ہے۔“ (بابا یوں تو نہ کہیں اس کے سامنے یہ تو پہلے ہی سر پڑھ گئی ہے)۔

”میڈی خواہش تو بیٹی نے پوری کی تھی لے تا فیروز!“

”میڈا پٹ بھی ایڈی نہ ہنس بیا سبھا لدا اے۔“

”کلی فضا کا کم اسے۔“ (میرا بھائی اتنی زمینیں سبھا نا ہے یہ کوئی چھوٹا کام ہے) اس کی ماں نے جلدی سے فریاد کیا۔

”دیکھیں بابا! ماں کو تو ہر صورت بھائی ہی اچھا لگتا

”ہے۔“ اس نے شہادت کی تو وہ ہنس پڑے۔

”مٹھائی ماں کے مٹھائے دینی میں سبکداز۔ میڈی بھوری ہے نا۔“

وہ باپ کے کہنے پر کھنگھلا کر ہنس پڑا۔

”مالی! مائتہ! سکوں مبارک! وہ دن مٹھائی دینی کو کر آئی تھی۔“

”مالی! ابھی۔“ مٹھیا مبارک۔ ”وہ ہنس کر اس کے گلے لگیں۔“

”مالی! بھائی بھائی کر۔“ ریمیں عارف نے اٹھ کر اس کے پیچھے ہاتھ رکھا۔

”اوا بھائی مگر آج میں بھی مٹھائی کھا کر جاؤں گی۔“

”بابا! ابھی! کیوں نہیں۔“ (میںوں مٹھائیاں۔ میں ابھی فیروز کو مٹھائی بھیجتا ہوں مٹھائی لیتے مگر آج ہمارے ہاں صرف مٹھائی نہیں رہی کھا کر جانا مائتہ! ابھی کی پسند کی چیزیں فیروز کو لے آئے۔“

”مالی! مائتہ! دیکھ کن تو اوا عارف بڑا خوش ہے۔“ ناہید ہنس۔

”مالی! ابھی تو میرے بیٹے ہیں ان کی خوشیوں میں خوش نہیں ہوں گا تو پھر کن کی خوشیوں میں خوش ہوں گا۔“

”ہا اوا! تو ہی تو میرے بھائی ہو پھر تمہاری لولاویں بھی دو اور وہ جو کیا تو پھر لوٹ کر نہ گیا اس کا بھی ایک دانہ ہے۔ اتنے اسے لمبی عمر دے۔ بابا کے تو لدا ہی پوتے ہوئے نا۔“ ناہید نے گہری سانس لی۔

اس نے دیکھا۔ بابا ایک دم چپ سے ہو گئے اور ادا کر۔ بھانے سے اٹھ گئی تھیں۔

اور: باب سے اک۔ انیسٹ ہاسٹل میں چھوڑنے آئے۔ اس نے منت کر کے پوچھ دی۔

”بابا! اس شہر میں چاہا بھی تو رہتے ہیں۔ آپ اگر دو سرے پاسٹنز سے مطمئن نہیں تھے تو مجھے وہاں بھی چھوڑ سکتے تھے۔“











انسان کو مکمل کی پوشاک پہنا کر خوب صورت بنا دیا

جسکین صاحبہ کے بدلے ہوئے دیتے سے اسے

تو دلش ہونے لگی تھی۔ اور تو اور اس کے معاملات میں وہ چٹینز خان کی

ہیشیم میڈم حیدہ بھی کچھ نہ بولتیں۔

”آج آئے تو ضرور پوچھوں گی اس نے دل ہی دل میں تیرہ کیل رات کے نو بج رہے تھے اس نے کھلتے

ہوئے کھڑکی کا پردہ سرکایا۔

صائمہ ٹوڈی سیلون سے اتر رہی تھی اور اس نے دیکھا کہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے نوجوان نے

کھڑکی سے سر نکالا، ہاتھ ہلایا اور گاڑی زن سے بچالے گیا۔ اس نے نیچے بھانک کر دیکھا کہ پوکیدار

کب کیا کتاب ہے مگر وہ سر جھکا کر کتاب کھول رہا تھا۔

وہ خاموشی سے آکریٹ گئی، چند منٹ بعد صائمہ گھٹناتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی۔

”کہاں سے گھر رہی ہو؟“ اس نے پوچھا۔

”میدر آباد سے۔“ اس نے بندے اٹھ کر کھیلنے

رہتے شرارتاں کیا۔

”چھا یہ تو نئی خبر ہے۔“ وہ بول گئی۔ ”بائے باوے ہم رتے کہاں ہیں؟“ اس نے طنز انداز میں پوچھا۔

”میدر آباد میں۔“ اس نے جیسے ہونے لگا کر بولی

سے دیکھے اچانک اور پوچھے لے کر دال روٹم میں

تھس گئی۔ تو مجھے سے عزیز و عارف نے خسر سے دلی

نکلتا۔

پوچھنے پر تیرے تبدیل کر کے منہ دھو کر اس کے بندے

پوچھیں۔

”ہاں معتزہ عزیز و عارف نکلتی صاحب! غائب“

تپ دھڑاں ہیں۔ چھپنے جیسے ہوئے لگی تھیں۔

”جی نہیں، عذری ایسی بھول کہاں؟“ وہ رکھنے سے

ہولی تو اس کے بچے بنے انداز پر وہ کھکھلا کر ہنس

دیتے ہوئے معتزہ بندی حاضر ہے تب کی مدت میں۔

پوچھ جھپٹ کر گئی ہیں۔

پوچھ جھپٹ کر گئی ہیں۔

پوچھ جھپٹ کر گئی ہیں۔

پوچھ جھپٹ کر گئی ہیں۔

پوچھ جھپٹ کر گئی ہیں۔

پوچھ جھپٹ کر گئی ہیں۔

پوچھ جھپٹ کر گئی ہیں۔

پوچھ جھپٹ کر گئی ہیں۔

پوچھ جھپٹ کر گئی ہیں۔

پوچھ جھپٹ کر گئی ہیں۔

پوچھ جھپٹ کر گئی ہیں۔

پوچھ جھپٹ کر گئی ہیں۔

پوچھ جھپٹ کر گئی ہیں۔

پوچھ جھپٹ کر گئی ہیں۔

پوچھ جھپٹ کر گئی ہیں۔

پوچھ جھپٹ کر گئی ہیں۔

پوچھ جھپٹ کر گئی ہیں۔

پوچھ جھپٹ کر گئی ہیں۔

پوچھ جھپٹ کر گئی ہیں۔

پوچھ جھپٹ کر گئی ہیں۔

پوچھ جھپٹ کر گئی ہیں۔

پوچھ جھپٹ کر گئی ہیں۔

پوچھ جھپٹ کر گئی ہیں۔

پوچھ جھپٹ کر گئی ہیں۔

پوچھ جھپٹ کر گئی ہیں۔

پوچھ جھپٹ کر گئی ہیں۔

پوچھ جھپٹ کر گئی ہیں۔

پوچھ جھپٹ کر گئی ہیں۔

”صائمہ! اگر میں تم سے کوئی ذاتی سوال کروں تو؟“

اس نے سنجیدگی سے کہا۔

وہ عزیز و عارف کے سنجیدہ چہرے کو دیکھ کر خاموش

ہو گئی۔ کچھ توقف کے بعد اس نے اثبات میں سر ہلا

تے ہوئے کہا۔

”مجھے پتا ہے تم کیا پوچھنا چاہ رہی ہو۔ تم میری بہت

اچھی دوست ہو اور تمہیں یہ حق حاصل ہے۔“ وہ

وجہ سے مسکرائی۔

”نہیک ہے تمہیں پتا ہے تو تم خود ہی بتاؤ۔“ وہ

رہا بٹا کر اٹھ کر بیٹھ گئی۔

”مجھے سہیل اچھا لگنے لگا ہے۔“ ہاں عزیز و عارف

دل میرے قابو میں نہیں رہا۔“ صائمہ نے وجہ سے

کہا۔ اس کے انداز میں ہیشیم تھی۔

”تو تم روز اس سے ملنے جاتی ہو؟“ عزیز و نے کہا تو

ہوا ہا۔ وہ خاموش رہی۔

”صائمہ! عارفے ماں باپ نے ہمیں یہاں اس

نہیک نہیں بھیجا ہے کہ ہم پڑھنے کے بجائے ادھر ادھر

کی پڑھوں میں انوالو ہو جائیں۔“

”تم ان کم میری ماں نے مجھے کوئی ایسی نصیحت نہیں

کی تھی کہ کسی سے دل نہ لگانا محبت نہ کرنا۔“ وہ اپنی

پہلی بے نیازی سے بولی۔

”مجھے پتا ہے تم ایسی ہی وحیث ہو ایک بات کہو

میں نہیں جانتی کہ ہیشیم چٹینز خان (میڈم حیدہ) نے

کس خوشی میں تمہیں اتنی پھوٹ سے رخصتی ہے؟“

”ہیہ۔“ وہ مسکرا کر اسے دیکھنے لگی۔ ”پہ بہت

بڑی چیز ہے میری جان! اسی سے آپ لوگوں کو خیر

بھی سکتے ہیں۔ ان کے منہ بھی بند کر سکتے ہیں۔“

”ہاں ہاں، تمہیں فروش لوگوں کو۔“ اس نے ہلکی

نہیک

”میں نے اس سے کہا میں جس وقت بھی جاؤں۔“

گٹ کھلا ہوا ملنا چاہیے۔ میرے معاملات میں

تمہیں کان اور زبان بند رکھو اور مجھے کھر دال

سے میرے بارے میں پوچھ نہ کہو تو میں تمہیں ہل

لے شہر قمر سے دینی رہا ہے سکتی ہوں اور

نہیک

نہیک

نہیک

نہیک

نہیک

نہیک

نہیک

نہیک

نہیک

نہیک

نہیک

نہیک

نہیک

نہیک

نہیک

نہیک

نہیک

نہیک

نہیک

نہیک

نہیک

نہیک

نہیک

نہیک

نہیک

نہیک

نہیک

نہیک



وہ مرنے لگا۔ "وہا علیہ السلام" سے بھی لڑنے والے تھیں۔  
 جس بات سے وہ صائمہ کو مع کر گئی تھی۔ نہ جانے  
 وہ کونسا آدمی تھا جس کی ایک نہ پل۔ اس نے لاکھ بھانپا  
 تھا مگر جیت کے اسے اس کی ایک نہ پل۔ اس نے  
 جیت اپنے ہاتھ لگا کر لیا تھا۔ وہ اس سے بھانپا  
 ہے جس کے پیچھے بھانپا ہے۔ لڑنے کو قید کر کے ہی  
 چھوڑی ہے۔  
 اس نے لاکھ لاکھ کو سمجھایا اور شاید وہ لاکھ سمجھانے  
 میں کامیاب بھی ہو جاتی۔ اگر سیف مصطفیٰ بھی اس کا  
 چچا چھوڑتا اور صائمہ اس کی بیوی نہ بن کر رہتی۔  
 جیت جیت کوئی جرم نہیں عسودہ عارف۔ وہ تم یوں  
 جرموں کی طرح سر جھکا کر رہتی ہو۔ لڑنے کے  
 جرم سے ماہر۔ اور لڑنے سے دنیا کو نہیں لڑو کہ جیت تم  
 میدان ہوتی ہے۔"  
 اس کی ان باتوں کے باوجود عسودہ عارف اس دن  
 کو کوئی وجہ نہیں ملنے کے باوجود وہ کالج گئی اور پھر سیف  
 مصطفیٰ کی گاڑی میں صائمہ کے ساتھ بیٹھ کر چل سکی  
 تھی۔ وہ ایلی ہوتی تو مرنے جاتی مگر کسی بھی سیف مصطفیٰ  
 کی آفر قبول نہ کرتی مگر اس کے ساتھ صائمہ تھی۔  
 سیف مصطفیٰ اور صائمہ اس سے ایک سال پہلے تھے  
 مگر صائمہ کی روم میٹ اور دوست ہونے کی وجہ سے وہ  
 اس کے گروپ میں ہی زیادہ نظر آتی۔ وہ سری بات کہ  
 سیف مصطفیٰ اور سہیل مزاری کی پلازی بدل دوسری تھی  
 اور اکثر جب سہیل چند دن کے لیے گاؤں چلا جاتا تو  
 صائمہ محض اس کی خیر خیریت سیف کے ذریعے ہی  
 پتہ لگاتی تھی۔ سہیل مزاری میں ہر وہ چیز تھی جو وہ بڑوں  
 کی پہچان ہوتی ہے۔ اس کے مقابل سیف مصطفیٰ  
 وہ بڑے مزاح کا ساہو سارہ تھا۔ جس میں جنونی سندھ کی  
 لڑکی جھلکتی تھی اور سہیل مزاری میں شمالی سندھ کی  
 کراچی لڑکی ہوتی تھی۔ وہ حد درجہ بو شیل اور جذباتی  
 تھا۔  
 اس کا اندازہ اسے دو تین ملاقاتوں میں ہی ہو گیا تھا۔

ہمارے دوست کے تجویز کے بعد اس نے سامنے سے اس  
 بات کا اظہار بھی کیا تھا تو وہ کھٹکھٹا کر فیس پائی تھی۔  
 "تو تم کس سے ملے۔ مردوں کو اپنے فیصلوں میں غیور  
 اور جہاد پائی ہوتا ہے۔ تمہارے بیوی کی طرف  
 نہیں کہ اپنے کو کی طرف۔ ف۔ کل دیکھنا ہے۔"  
 اس نے "تمہارے بیوی" سے پہلے "پتا کرنا ہے" دیکھا  
 اور وہ اس کی توجہ اس کی طرف مبذول کر کے دیکھا  
 "مگر باب اس نے بیوی سے کل کے طور پر  
 باہر ملنے کے انکار کیا تو سامنے بھجوا دیا۔"  
 "تم باہر ملنے کے عزم و عارفہ۔ ان کی اعتبار و محبت کو  
 کھا جاتی ہے۔ باہر ملنے میں کیا حرج ہے؟"  
 "ہم خود کو محبت کے سوا نہیں روک سکتے مگر غیر  
 اتفاق غیر اسلامی اور معاشرہ کی بدلتوں سے مقام  
 ترکوں سے تو روک سکتے ہیں۔"  
 تم ہے کار کی ضد کر رہی ہو عزیزہ!" وہ کہتا ہے  
 "بیوی نے میرے کان کھالے ہیں کہ تمہاری  
 راضی کروں۔ بھلا اس میں بددلی بھی کیا ہے۔ اگر میں  
 ہی تو میل سے ملنے جاتی ہوں نا۔ بس چند گنے  
 کسی پارک میں یا ریلوے اسٹیشن یا سندھو کنارے بیٹھ کر  
 مستقبل کی پلاننگ کرتے ہیں اک دوسرے کو چاہتی  
 ہوتے ہیں اور وہ اپنی میں وہ مجھے وارپ کر دیتا ہے۔"  
 "تم میری بات نہیں سمجھ سکتیں سامنے! اس نے  
 بے بسی سے کہا۔  
 "اسے تو پھر سمجھاؤ تم!" وہ بری طرح چڑھی۔  
 "ویسے کبھی ہمیں کسی نے دیکھ لیا۔ میرے پلا  
 نے بھائی نے یا کسی رشتے دار نے تو کیا جگہ ہسپتال  
 میں ہوگی؟ ہم جب اپنے پیمانہ علاقوں سے احاطہ  
 ایم حاصل کرنے لگتے ہیں تو ہم پر بہت بھاری ذمہ  
 داریاں پڑ جاتی ہیں۔" وہ رساتیت سے بولی۔  
 "تمہاری یہ خرابی منطقیں میری سمجھ سے بالاتر  
 ہیں۔ ہم ان سے اہل ایم سی میں ملے ہیں  
 بریری میں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں تو پھر کسی شام  
 میں باہر ان سے ملنے میں کیا مضائقہ ہے۔"  
 "کلج کی بات اور ہے۔ وہاں ہم پڑھنے کے لیے

جانتے ہیں۔ کسی سے ماننا یا بات کرنا معیوب نہیں سمجھا  
 جاتا۔ نہیں کسی سے کام بھی ہو سکتا ہے مگر اس سے  
 اپنی للہ بات ہے۔  
 انہیں تو محبت کرنا ہی نہیں چاہیے تھی عینود!  
 اکی وار کو قیام نوئی ہوتا تھا۔  
 "پیش ایسا ہی ہوتا" مگر اب دل ماننا ہی ہمیں کوئی  
 نصیحت۔ "وہ افسردہ سی لڑکی۔  
 "محب ہی تو کتنی ہوں" محبت کے آگے ساری  
 مصطفیٰ مبارک برائے کار ہو جاتے ہیں۔ یہ بڑا انوکھا  
 جذبہ ہے۔ تو آپ سے اپنا آپ بھی چھین لیتا ہے۔"  
 اور عینود عارف کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ ایک  
 بوجھ سا دل پر آرا کہ کاش وہ بھی سائیمہ جیوں کی طرح  
 محبت کے اس انوکھے جذبہ کو پوری آزادی سے  
 بھر دے طریقے سے محسوس کر سکتی۔ صرف محبت کی  
 برستی میں مست رہتی۔ مگر دل پر عقل غالب آجاتی تو  
 اسے لگتا جیسے اس نے کوئی جرم کیا ہو۔ اپنی روایات  
 سے بغاوت کی ہو اور اسے سزاوارتہ نرم نو والدین کو دھوکا  
 دیا ہو۔ اپنی جگہ پوری بن گئی۔  
 دوسری طرف وہ ایک دن سیف مصطفیٰ کو نہ دیکھتی  
 تو ہوائی بولالی سی بھرتی۔ فون کر کے اس کی خیریت  
 دریافت کرتی اور پھر اس سے بات کر کے جب مطمئن  
 ہو جاتی تو اپنی بے ٹووی پر خود ہی ہنس پڑتی۔ محبت واقعی  
 وہی بنا رہتی ہے۔ اتنی محبت کے باوجود وہ سیف مصطفیٰ  
 سے نہیں باہر ملنے کو تیار نہ ہو سکی۔  
 بالآخر اس کا دل بھی صائمہ جیوں نے ڈھونڈا اور  
 بشیرہ چٹیز خان کی آنکھوں پر پیسوں کی ایسی پٹی باندھی  
 کہ چند دن کے وقفے سے شام کو سیف اس کے بچے  
 کھائے ڈرائنگ روم میں عینود کو دھکے مارتا۔ وہ دونوں  
 سیاست 'ادب' عائلی مسائل پر گفتگوں باتیں کرتے  
 محبت محسوس کرنے کی چیز ہے۔ سو اک دوسرے کی  
 شکست ہی کافی تھی۔ خواہ کتنی ہی کسی موضوع پر ہو اور  
 جب بھی وہ شاہ لطیف کی بات کرتے اک دوسرے کو  
 بہت شعر سناتے تو ان کے پور پور سے محبت پھیلنے  
 لگتی۔

”شاہ کا سارا راز یہاں صدف محبت ہے۔“ وہ مکتی تو  
سیف مسکرا کر اسے دیکھتا۔  
”مجھے تو لگتا ہے تم بھی شاہ کو کوئی سوری ہو۔“  
”اچھا!“ وہ بے ساختہ ہنس دیتی۔ ”شاہ کی تو بہت  
ساری سورتیں ہیں میں کون سی والی ہوں۔“  
”تم از تم شایاں نہیں جس نے تو لکھے ہمارے اپنا  
محبوب دے دیا تھا۔“ وہ اس کی آنکھوں میں جھانک  
”مگر سیف! تم یہ بھی تو دیکھو پھر اس نے ہنسیسر کو  
منانے کو کیا کیا جتن کیے۔ مجھے ہمیشہ اس کا رقص نہیں  
حیرت میں مبتلا کرتا ہے۔“ اس نے نواب ہاک لیے  
میں کہا۔  
”جب باپتے مانتے لیاں اپنی جان محبوب کے  
قدموں میں پھلور کر دیتی ہے۔ اور پھر محبوب بھی اس  
کی یہ محبت دیکھ کر اپنی جان ہار دیتا ہے۔“ اس کی  
ہنس مچ رہی تھی۔  
”ہاں مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ عورت زور و جواہر  
اپنا محبوب بھی دے مکتی ہے۔ زبور اس کی کمزوری  
ہوتے ہیں نہ۔“ سیف اسے اواس سے نکالنے کی خاطر  
چھیڑتا۔  
”جی نہیں۔“ وہ چڑ کر کہتی۔ ”ماروی بھی تو شاہ کی  
سوری ہے نا جس نے اپنی پٹھن پرانی بیوہ زندہ چادر کو  
نکھواب زور و جواہر پر فوقیت دی اور عمر کو صاف جواہر  
دے دیا کہ میں تیرے غلوں کو اپنے جھوپڑے پر قربان  
کر دوں گی۔“  
سیف کھلکھلا کر ہنس پڑتا۔ ”تو تم لیاں ہو یا  
ماروی؟“ وہ شرارت سے کہتا۔  
”ماروی!“ وہ فخر سے کہتی۔  
”تو کتنا کس مجھے چھوڑ نہ دے۔“ وہ جہان بوجہ کر  
اسے چڑاتا۔  
”جی نہیں۔ ماروی نے عمر اور اس کے محلات کو  
چھوڑا تھا اپنے منکبیر کو نہیں۔“ وہ کہہ کر چھٹائی۔  
سیف کے بلند قبضوں پر وہ کھسیا گی۔  
”تو کیا خیال ہے اٹھو بھی پسنے کے بارے میں۔“







میں ڈرائنگ روم میں جس کی کھڑکیاں جان بوجھ کر کھلی رکھی جاتی ہیں۔ وہ سچ ہوئی تو اس نے افسردگی سے اسے دیکھا۔

"دل کا کاروبار جاری ٹمر گفٹ لینے دینے سے انکاری۔ ہم شاپنگ کرنے گئے تو سیف بھی ساتھ ہو لیا اور کہا کہ کل عینذہ کو میں اپنے پسند میں رنگا ہوا دیکھنا چاہتا ہوں۔ مجھ سے تو غلطی ہوئی کہ انھا کر لے تکی۔ اب تم جانو اور سیف جانے۔ مجھے تو معاف ہی رکھو۔" اس نے کہتے ہوئے غصے میں کھل اور ڈھ لیا۔ اور عینذہ چاہتے ہوئے بھی کچھ نہ کہہ سکی۔ وہ بیٹھ سے ایسی ہی تھی۔ لہجے کی تلخیوں سے ڈرنے والی۔

"دوسرے دن صائمہ صبح سے ہی تیاری میں لگی ہوئی تھی۔ زرد اور سرخ رنگ کے استراج والا سوٹ جس پر موتیوں کے ساتھ نفیس کڑھائی کی ہوئی تھی۔ اس نے استری کر کے انداری میں رکھا۔

"تم آج یونیورسٹی نہیں جاؤ گی؟" اس نے ناشتہ کرتے ہوئے استفسار کیا۔

"نہیں کون جائے آج بور ہونے۔" وہ بے وجہ ہنسی۔

سچ کا اٹھا صائمہ نے۔ "خود بھی آ رہی ہوئی تھی۔ سہیل سیف صائمہ اس سے روپ سے کوئی بھی نہیں کیا تھا۔ اس سے بے دلی۔ بڑی مشکل سے وقت گزارا تھا پھر اس نے کھانا کھایا اور سوئی۔

اس کی آنکھ کھلی تو صائمہ تیار ہو رہی تھی۔ اس نے وال کاک کی طرف دیکھا تو شام کے کچھ بج رہے تھے۔ صائمہ کی تیاری آخری مراحل میں تھی۔

"چلو اٹھو تم بھی تیار ہو جاؤ۔ آخر کو تمہارا سیف بھی تم سے ملنے آئے گا۔ ویسے عینذہ! تم ہو بہت مندی۔ کن کے دن تو اس سے کہیں باہر مل جیتیں۔" اس نے چو لری پہن کر بیگ اس پر باندھ دیا۔ وہ کسل مندی سے لٹی اس سے دیکھتی رہی۔ اس نے جب کمر میٹل پہنا تو اسٹاک اٹھا کر بس میں والی۔

کمر ہائی پڑتا ہے، ورنہ پتا ہے کیا ہوتا ہے "اس نے شرارت سے اسے دیکھا۔

اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا وہ ہنس کر اس کے بیز کی طرف آئی "محبت کمزور ہو جاتی ہے چلی! اب اٹھو بھی سیف بھی آنے ہی والا ہو گا۔"

اس نے کھل اس پر سے کھینچ کر اتارا۔ "ارے ارے اچھی ہوں، سہری لگ رہی ہے۔"

وہ چیخی۔ "ایک تو تمہاری سہری ختم ہونے میں نہیں آئی۔" اس نے بورڈنگ کر کے اور گفٹ اٹھالیا۔

اس کے جانے کے بعد بھی وہ آنکھیں موندنے سستی سے لپٹی رہی۔

"عینذہ بانی! آپ کا کوئی مہمان کیا ہے۔" ملازمہ جس کے ذمہ ان سب کا کھانا اور پیغام رسی تھا اسے بلانے آئی تھی۔

"میں آ رہی ہوں پانچ منٹ میں۔" وہ کھل پھینک کر جلدی سے واش روم میں گھس گئی۔ تویہ سے منہ پونچھتی وہ ڈرائنگ روم میں آئی، جگت میں بال ہار سادہ سے کان کے سوٹ کی شللیں اپنے ہاتھوں سے درست کیں، اس کے پیچھے ہوئے گفٹ اٹھا کر نیچے ڈرائنگ روم میں آئی۔

صوفے پر بیٹھا سیف اسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"تھینک یو۔" اس نے مسکرا کر پھول اور گلابوں کے ہاتھ سے لے لیا وہ جھولوں میں ہاتھ ڈالے اب نیچے اس کے سادہ سے روپ کو خوش اور ناراضی کی ملی جلی کیفیت سے دیکھا رہا۔

"ہینڈو نا تم کھڑے کیوں ہو۔"

وہ خاموشی سے بیٹھ گیا۔

"تمہیں دکھ ہو رہا ہے نا سیف! کہ میں نے تمہارا بیجا ہوا سوٹ نہیں پہنا۔" وہ کچھ بھی بولے بغیر لپکتے خاموشی سے اسے ٹکھار رہا۔

اس کے ہاتھ "مختی کی انگوٹھی کے ساتھ بھیجا۔" اس نے کہتے ہوئے نظریں چرائیں۔

سیف کے نیچے ہوئے لبوں پر سبے ساختہ عکاسیت چل گئی۔

"مختی خوب صورت بات کہی ہے تم نے۔" وہ مل کر بنا "مختی جی پوچھو تو یہ گفٹ نہ لیتا، تمہاری ہنس سوچ ہے۔ بالکل ہی دقیانوسی خیالات جو اس دور میں نہیں چلتے۔"

"نہیں سیف! یہ بومس خیالات نہیں۔ تم غور کر کے دیکھو تو کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو ہمارے بس میں ہیں۔"

"مثلاً؟" اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

"مثلاً "محبت۔"

"اچھا اور۔؟"

"اور کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو ہمارے بس میں ہوتی ہیں۔ تم سمجھو کہ یہ گفٹ نہ لینا ان ہی باتوں میں سے ہے۔"

"جو کیا میری خوشی مقدم نہیں ہے تمہارے لیے؟"

"تمہاری خوشی مقدم ہے تب ہی میں تم سے ملنے آئی ہوں ورنہ میں اتنی جلدی ملنے کی بھی قائل نہیں ہوں۔"

اب تک ہمارے درمیان کوئی سماجی رشتہ نہ قائم ہو سکا۔

"محبت سماجی رشتہ نہیں ہے؟"

"نہیں یہ تو فکری و روحانی رشتہ ہے جو بعض دفعہ لگاؤ، شوق کے تصادم میں آ جاتا ہے۔" وہ چند لمحوں کے سکوت کے بعد گویا ہوئی۔

"محبت میرے لیے ملوثی چیز نہیں کہ اس کے لیے میں کوئی مالی یا مادی فائدہ و سہولتوں کی۔ ہم میں لگاؤ، عورتوں میں کچھ تو فرق رہنے دو جن کا مشغلہ ہی ہول کی جھینٹ خالی کرنا ہے۔ ایسی عورتیں محبت پر مذاق کا بیج ہوتی ہیں۔" وہ افسردگی سے کہنے لگی۔

"محبت کن پر قابض ہوتی ہے؟"

جن کے لیے اہمیت ہوتی ہے تو صرف محبت کی۔ کوئی بھی مالی، مادی فائدہ، کوئی اہمیت نہیں رکھتا جن کے لیے۔ "وہ ہلکے سے مسکرائی۔

"تمہاری یہ بات بھی پیاری ہے۔ بالکل تمہاری طرح۔"

اس دن وہ کمرے میں آئی تو اس کے دامن میں بہت خوش کن دھڑکے بندھے ہوئے تھے اور بہت خوب صورت لہجے جو اس کے دل میں بیٹھے مسکرا رہے تھے۔

ملازمہ آکر اسے کھانا دے گئی۔ اس نے چند نوالے لے کر ٹرے واپس کر دی ویسے بھی جس دن وہ بہت زیادہ خوش ہوتی اس دن کھانا اسے اچھا نہیں لگتا تھا۔ خوشی میں اس کی دھوک اڑ جاتی تھی۔

"الف دس بج گئے! ابھی تک صائمہ نہیں آئی۔" وہ آکر بستر پر لیٹ گئی ریموٹ اٹھا کر مختلف چینل بدلتے ان ہی سوچوں میں اسے خند آئی۔

نہ جانے کون سا وقت تھا۔ جب دروازہ زور سے بند ہونے پر اس کی آنکھ کھلی۔

"صائمہ! تم آگئیں؟" اس نے کھل منہ سے ہٹائے بغیر پوچھا۔

"ہاں! اسے لگا کہ اس کی آواز کتب رہی ہے۔" سہری میں آئی ہے شاید اس لیے۔" وہ پھر سو گئی۔

☆ ☆ ☆

"سیف کی کوئی خبر لیں۔ کل اس کا دوست کیا نام ہے، بھئی ہل وہ قرازا اس کا پوچھ رہا تھا کہ بہت دنوں سے نہ ملے ہیں آ رہا۔ وہ ٹھیک تو ہے؟ اب میں کیا کہتی اسے رہیں! کہ گھر سے تو روزانہ اسی ہمارے لگتا ہے۔"

رہیں غلام مصطفیٰ نے سگریٹ الٹیں ٹرے میں رکھ کر بجا دیا۔

"کہاں ملا تھا تمہیں؟" انہوں نے ہاتھ سے چائے کا کپ لے کر استفسار کیا۔

"کل سینٹر ملا تھا۔ ایک دو بار پہلے گھر بھی آچکا تھا۔"



سے سیف اور سہیل کے ساتھ اسٹیڈی کرنے۔ وہ بینہ کی پائی نہ کرولیں۔  
 ہاں۔ ڈاکٹر عبدالقادر نے بھی مجھ سے شکایت کی ہے کہ سیف بہت دنوں سے کلج سے غیر حاضر ہے اور یہ کہ وہ کسی الجھن کا شکار ہے اور ہمیں اس کی الجھن کا پتہ لگانا چاہیے۔ میرے سامنے تو کھانا نہیں تھا، وہ نہ کھانا ہے نہ پیسہ تھا۔ ذرا پوچھ کر تو دیکھو۔ وہ چائے کے بجائے کھانے لیتے تھے۔

”جسے تین دنوں میں نے بھی بہت پوچھا ہے مگر اس نے بتایا نہیں کہتا ہے لہاں اسہیل والا واقعہ میرے دل میں چب رہا ہے، میں میں چند دنوں میں ٹھیک ہو جاؤں گا۔ تم زامانہ وقت دیں مجھے پھر میرے ساتھ بیٹھتا ہے۔ باتیں کرتا ہے وہ یہ سب مجھے دھوکا دینے کی خاطر کرتا ہے۔ میں میں ہوں اس کی پریشانی مجھ سے کہاں چھپی ہو سکتی ہے۔“

”تم پھر بھی تم کو شش کرتی رہو، کیا پتہ کسی کمزور لڑکے میں کھل جائے۔“ انہوں نے کمری سانس لیتے ہوئے کہا۔

”پتہ نہیں سہیل کہاں چلا گیا ہے چہ بچپاری لڑکی نکل لیا اسے۔ رہیں! دیکھو کہیں اس وجہ سے تو سیف پریشان نہیں کہ میں سہیل کا دوست ہونے کی وجہ سے وہ پولیس کی پکڑ میں نہ آجائے۔“ ان کا دل ایک بار پھر زندہ ٹھنڈا سے بھر گیا۔

”نہیں نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ تم خواہ مخواہ کے وہم نہ پاؤ۔“ انہوں نے بیوی کو تو مطمئن کر دیا مگر خود کمری سوچ میں ڈوب گئے۔

”سیف! وہ ماں کی پکار پر کمرے میں جاتے جاتے رک گیا۔“  
 ”کھانا کھانا پینا!“  
 ”نہیں ماں!“

”اچھا تم چلو اپنے کمرے میں، میں لے کر آتی ہوں۔“  
 وہ سر ہلا کر چلا آیا میں تمہیں کہاں ڈھونڈوں تم کہاں جا چکی ہو عنیدہ! میں تیسری بار تمہارے علاقہ

سے ناکام لوٹا ہوں۔ بھر بھی کالے پانیوں کا سفر ہے جس میں کم ہوتا جا رہا ہوں ڈھونڈتا جا رہا ہوں کوئی اس کا کھانا نہیں جس کے سہارے نکل سکوں ابھر سکوں۔ یہ کیسی مسابقت کی ذور تم نے میرے پاؤں میں باندھی ہے کہ سفر ختم ہونے میں ہی نہیں آ رہا۔ کوئی منزل کا نشان نہیں کوئی مسافرت کا انتظام نہیں۔ صرف گرد و غبار ہے اور بھر ہے جو جسم و جاں سے لپٹا۔ جدائی کا سانچا بنا ہے۔ وہ آنکھوں میں آنے والی نمی کو بار بار صاف کر رہا تھا۔

”سیف! انھو کھانا کھاؤ وہ اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے ملازم نے اسے ان کے ساتھ قفل وہ جوتوں سمیت بیچے نیم درواز آنکھوں پر پاندہ رکھے لیٹا تھا۔

”سیف! انھو مینا! وہ پلٹ میں حائل نکل کر نہیں پر رکتے ہوئے بولیں۔

وہ اٹھ کر واش روم میں منہ دھوئے چلا گیا۔ وہیں آکر کرسی پر بیٹھا۔

”ماں! آپ نے کہا کیا؟“ انہوں نے نوالہ توڑتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں! ہم نے کہا لیا۔ اب تم کھاؤ تو میں جا کر سوؤں۔“ وہ اس کے کھانا کھانے تک خاموشی سے بیٹھی رہیں۔ وہ کھانا کھا چکے کے بعد ہاتھ دھو کر وہاں آیا تو انہوں نے بات بھینری۔

”سیف!“  
 ”ہی ماں!“

”بڑے دنوں سے پریشان لگتے ہو بیٹا! میں میں ہوں تمہاری سب مجھتی ہوں۔ مگر تم جی بات نہیں کرتے جانتے نہیں آخر کیا بات ہے جو بھی دل میں ہے وہ بتاؤ۔“ وہ اس کی پریشانی جو مٹے افسرہ ہو گئی۔

”ماں! آپ خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے، مائیں تو ہوتی ہی وہی ہیں۔“ وہ جھٹکے ہوئے بولے۔

وہ چلی گئیں تو وہ سوچنے لگا۔  
 ”بابا تو اس طرف جانا ہی پسند نہیں کرتے تھے کہ

دہلی کی طرف بھی نہیں۔ وہ کیسے ماں سمجھتے ہیں کہ بی بی کی ذات کی ایک لڑکی نے ان کے بیٹے سے سب کچھ چھین لیا ہے۔ وہ کیسے میری مدد کر سکتے ہیں۔ اگر میں انہیں بتاؤں تو وہ تو ناراض ہو جائیں گے کہ میں ایک لڑکی کے پیچھے پاگل ہو رہا ہوں جس نے اپنا اپنا اپنا بھی نہیں چھوڑا ہے۔ اس ایک بار میں اسے دھوکا دیاں پھر ہر طرح سے بلایا کوراضی کر لوں گا۔“

اس نے زحرم ہو کر سوچا۔ ”مگر تم مجھے ملو تو عنیدہ!“  
 اس نے سچائی سے خود کھائی کی۔  
 ”ایک بار پھر میڈم حمیدہ کی طرف جا کر دیکھوں۔“  
 بات اتنے مینے ہوئے ہیں ہو سکتا ہے اب کی بار وہ بتا

”اور دوسرے دن دن وہ میڈم حمیدہ کے آفس میں بیٹھا ہوا تھا۔

”آپ مجھے عنیدہ کا بتا دیں۔ میں آپ کو منہ مانگی رقم دے سکتا ہوں۔“

”وہو سیف صاحب! میں آپ کو پہلے بھی بتا چکی ہوں کہ اس سلسلے میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتی ویسے ہی عنیدہ کا پتا میرے پاس صرف بدین خلع لکھا ہوا ہے پہلے ہی چوٹی خواری ہوئی ہے میری۔ کاروبار ٹپ ہو گیا۔ اب کوئی آدھی قیمت پر بھی کمرے لینے تیار نہیں ہوتا۔ اور سے پولیس کی پوچھ بچھ۔ بڑی حلقوں سے جان چسولی ہے میری! اگر آپ مجھے زیادہ شک کریں گے تو مجبوراً مجھے پولیس کی مدد لینا پڑے گی اور آپ کے لیے یہ شادی ہی کافی ہے کہ سہیل آپ کا دوست تھا اور حادثے کے تاخیر آپ ہی اسے لے کر آئے تھے۔“ وہ بغیر سانس لے پھرتی چلی گئی۔  
 وہ آگ بار پھر بے مراد لوٹا تھا۔

\*\*\*

وہ کچھ دیر تھی کہ صاحبہ کافی دنوں سے کچھ پریشان لگ رہی ہے مگر وہ اسے کچھ جاننے سے بھی گریزاں تھی۔ اس نے سوچا کہ وہ اس سے پریشانی کا سبب پوچھے مگر کئی بار وہ پوچھتے پوچھتے رک جاتی جب وہ مناسب

سمجھنے کی تو خود ہی بتا دے گی۔ یہ سوچ کر وہ خاموش ہو جاتی غراب وہ اس کو کچھ لیا وہی نوٹ کرنے لگی تھی۔ حالانکہ یہ بات بھی اس کی طبیعت کے خلاف تھی۔ صاحبہ بہت کم کلاس میں اٹھنے کرتی۔ وہ اس پر بھڑکتی۔ ”صاحبہ! خدا کے لیے ہم یہاں پڑھنے آئے ہیں اور تمہاری اتنی چھٹیاں۔ بہت حرج ہو رہا ہے پڑھائی کا۔“

وہ اسے کوئی جواب لے لے بغیر آنکھیں موندے پڑی رہتی۔

”آخر تم کو ہو کیا لیا ہے؟“ بابا آخر اس نے آگ دن پوچھ ہی لیا۔ ”اب تم سہیل سے بھی کم ملنے لگی ہو لیا کوئی ناراضی ہے؟“

”نہیں۔“ اس نے جواب دے کر گریٹ بدل لی۔ ”آج تم مجھے بتاؤ۔“ ”وہ کھوم کر اس کے سامنے آگئی۔“ میں انتظار کرتی رہی کہ شاید تم خود ہی بتاؤ مگر تم تو آگ لفظ بھی نہیں بولتی ہو۔“

وہ بید پر بیٹھ کر اس کے ہاتھوں میں انگلیوں سے کنگھی کرنے لگی۔ اسے صاف لگا کہ وہ اس کے اپنا بہت بھرے انداز پر آنکھوں میں آنی نمی لپٹے اندر اٹارنے کی کوشش کر رہی ہے۔

”صاحبہ!“ اس نے جھک کر اس کی آنکھوں میں بھانکا۔ ”صاحبہ نے فوراً آنکھیں بند کر لیں۔“

”تم جاؤ عنیدہ! اور نہ پوچھنا نکل جائے گا۔“ اس وقت تو وہ خاموشی سے چلی گئی تھی مگر شام کو جب سیف اس سے ملنے آیا اور وہ خود شکار کیفیت میں جانے کو مڑی تو اس نے اسے پکار کر کہا۔ ”عنیدہ ملنے میں محتاط رہا کرو اور اتنی جلدی جلدی مت ملا کرو۔ غالباً تمہیں دن پہلے ہی سیف آیا تھا۔“

وہ رک کر اس کی طرف مڑی۔ ”یہ تم کہہ رہی ہو صاحبہ!“ وہ دُفس کر اس کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

”ہاں!“ اس نے کھنوں پر رکھی کتاب کو افسرہ سی مسکان کے ساتھ بند کیا۔

”تم تو کہتی ہو احتیاط محبت کو کھا جاتی ہے؟“ اس نے حیرت سے اس کی آنکھوں میں بھانکا۔



ہاں ہوتی تھی۔" اس نے کمری سانس لی۔

کمری نے جی کہا ہے کہ موہو ریاضت کا رندہ سے عنیدہ۔ اگر وہ عورت کو عمل ریاضت کر لے تو پھر کتنا نہیں اڑ جاتا ہے۔ اس لیے کچھ وہ ازے اس پر پیشہ بند رہنے چاہئیں تاکہ کشش پر قرار رہے۔ یہی جان اس کے اگر سارے ہی بعد کل جائیں تو پھر من اپنی حیثیت کو دینا ہے اور من بے حیثیت ہو جائے تو سکون کم ہو جاتا ہے۔ اسے خلاشتے خلاشتے ہم اپنا آپ کھو دیتے ہیں۔

اس نے بھی جھکی سانس لی وہ چپکے سے انھی تو وہ پھر بولی۔

"اشیاط اپنی ذات کے کواڑ بند کر لو عنیدہ! اس لیے کہ جو جیسا پچھیں ایسی زمین پر نہیں اترتا جہاں بھید نہ ہو۔" اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

اس دن وہ سیف سے بھی پوچھ بیٹھی کہ سہیل نے کاکیلوں کو کہا ہے۔

"نہیں۔" وہ بھی لا علم تھا۔

"تو آخر بات کیا ہے؟" وہ کتنی ہی دن پریشان رہی۔

صائمہ کا وہی طرز عمل، کبھی موڑ ہو تاکو اس کے ساتھ چلتی ورنہ پڑی رہتی منہ لپیٹے ایک ہی کمرے میں بند۔ اب تو بہت دنوں سے اس کی طبیعت بھی گری گری رہنے لگی تھی وہ میڈیکل کی طالب تھی جو بات اس کی سمجھ میں آ رہی تھی وہ سمجھتا نہیں چاہ رہی تھی نہ ہی ایسی بات سنا چاہتی تھی مگر اب اس کی پریشانیت بڑھ گئی۔

بہت دنوں بعد اس نے دیکھا کہ وہ سہیل سے ملنے گئی تھی۔ وہ اس کا انتظار کرنے لگی۔ اس دن خلاف معمول وہ بہت اچانک آئی۔ اتنے ہی بغیر پیچھے کیے بستر میں جا گئی۔ یہ واضح اشارہ تھا کہ کچھ نئے کچھ بولنے کا چاہتے ہوئے بھی وہ اس سے کچھ نہ پوچھ سکی اور خود بھی ہونے کے لیے لیٹ گئی۔

آدھی رات کا وقت ہو گا جب اس کی آنکھ سکیوں کی آواز پر کھلی۔ وہ سانس روکے اس کے رونے کو سنتی رہی پھر اٹھ کر اس کے پاس آئی۔

"صائمہ! اس نے اس کی بیٹھائی پر ہاتھ رکھا۔

"عنیدہ! عنیدہ! وہ کہتا ہے کہ وہ مجھ سے شادی نہیں کر سکتا۔" اس نے سسکتے ہوئے اس کی گود میں سر رکھا۔ تمہیں کیا ہے عنیدہ! میں پل پل جیتی اور مر رہی ہوں۔ وہ اب کہتا ہے کہ میں مجبور ہوں اب جب اب وہ جو مجھے اندر لے رہا ہے۔ وہ کہتا ہے۔ چلو میں تمہیں کسی لینڈی ڈاکٹر کے پاس لے چلاؤں۔"

وہ ننھی بیٹی نہ تھی۔ اسے اب اس کے دل کی دھڑکن محسوس تھی اس کا چہرہ فق ہو چکا تھا اگر صائمہ اس کی یہ حالت دیکھ لیتی تو یقیناً "روا بند کر دیتی مگر اندھیرے میں ہی وہ اس کی گود میں سر رکھے پوچھتی رہتی۔

"کیوں بولا کیا اس نے مجھے۔ وہ خود میںوں میرے پیچھے چلا تھا۔ تب جا کر میرا دل کچھ مائل ہوا تھا اس نے میرے ساتھ بیٹھنے مرنے کی قسمیں کھالی تھیں۔ اب وہ مجھے پھانسی پر لٹا کر خود مری ہونا چاہتا ہے۔ اسے پتا ہی نہ چلا کہ اب اس کی سسکیں صائمہ کی سسکیوں سے مل گئیں۔

کتنے ہی گھنٹن دن اور بے رحم راتیں گزر گئیں۔ جب وہ ایک دوسرے سے آنکھیں نہ الٹی رہیں۔ تب ایک دن اس نے پوچھ ہی لیا۔

"اب تم کیا کرو گی صائمہ؟"

وہ کچھ دیر خالی نظروں سے اسے دیکھتی رہی "تم سیف کو کو شاید وہ اسے راضی کر لے تمہیں چاہتا ہے عنیدہ! اب میں اپنے والدین کے پاس نہیں جا سکتی۔ اس لیے کہ اب میں ان کے لیے باعث شرم بن چکی ہوں۔ وہ مجھے اس حالت میں قبول بھی نہیں کریں گے۔ وہ صرف مجھ سے نکاح کر لے پھر چاہے تو چھوڑ دے مجھے۔ تم سیف سے کہو وہ اس سے بات کر کے دیکھے۔"

اس نے بڑی وقت سے سیف کو یہ بات بتائی۔

"عنیدہ! وہ نہیں ایسا۔ کتنا ہے میرے خاندان میں غیر خاندان سے عورت نہیں آئی۔ وہ وہ بچوں کا باب

ہے اگر وہ صائمہ سے شادی کر لے گا تو اسے چاہیو کہ۔

صائمہ نے نفرت سے اسے دیکھا۔ "آخر صرف نکاح کر کے میں کیا حق ہے؟"

"نہیں عنیدہ! میری برادری کا مسئلہ ہے مجھے ملے چکا ہوں اگر میرے خاندان والوں کو میرے نکاح کی بجائے بھی پڑ گئی تو وہ مجھے برادری سے خارج کر دے گا۔ یہ بات تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتائی کہ تم شادی شدہ ہو۔ کیوں پڑے تھے تم میرے پیچھے؟"

چلائی۔

"مجھے تم سے محبت ہو گئی تھی صائمہ!"

"نہیں۔ تم نے مجھے صرف نکاح کیا ہے۔"

رونے لگی۔

"میں تم سے اب بھی محبت کرتا ہوں۔ تم چلو میں تمہیں اپنا لے چلوں۔"

"جھوٹا مت بولو تم۔ مت وہ دوس کو محبت کا نام۔ وہ اس پر جھنپتی۔"

"چھوڑو میرا اگر جان! سہیل نے اسے دھکا دیا۔

وہ سہیل کو پھراس پر جھنپتی "میں تمہیں چھوڑ دوں گی۔ یہ کیسے سمجھ لیا تم نے ابھی صرف عورت کی محبت دیکھی ہے انتقام کب دیکھا ہے تم نے۔ یہ اس نے اپنے بیٹے کی طرف انگلی سے اشارہ کیا یہ تمہارے خلاف سب سے بڑی شہادت ہے کہ تم نے جبر کیا ہے میں تمہیں پھانسی کے پندے پر لٹکواؤں گی۔" اس پر جنون سوار ہو چکا تھا۔

عنیدہ منہ پر ہاتھ رکھے بے توازی روتے ہوئے دیوار کے ساتھ جا گئی تھی۔ وہ آنکھیں پھاڑے صائمہ کا وحشت زدہ رویہ دیکھتی اور بے تحاشہ روتی جاتی۔

"کیا کیا کر رہے ہو تم لوگ؟" اسے بالکل تو نہیں ہو گئے۔ "سیف ان کے درمیان بیچ بھولا کرانے کی ناکام کوشش کرنے لگا۔ ان کی چیخوں پر میڈم حیدرہ کمرے میں چلی آئی تھی۔

سہیل بار بار خود کو چڑاتا اور اس کو دھکا دے کر

پہلے مجھے پتا نہیں تھا کہ وہ شادی شدہ ہے۔ میں بھی اس کے گاؤں نہیں گیا اور گھر کی باتیں یہاں کا رواج نہیں۔"

تو پھر تمہیں کیسے پتہ چلا؟" اس کا لہجہ نہ چاہتے ہوئے بھی طنز سے ہو گیا۔

"اس نے مجھے خود سنا۔" تباہی نے جس اب پر بھی میں تمہارے کہنے پر اسے سمجھاؤں ہاں۔ یہیں لے آؤں گا۔ تاکہ صائمہ اور وہ بیٹھ کر اس مسئلے کا حل لیں۔"

اس دن کے بعد صائمہ اس سے روز پوچھتی کہ کب سیف اسے لا رہا ہے۔ ابھی تک سہیل نے رابطہ نہیں کیا تھا صائمہ تو پڑھائی چھوڑ چکی تھی۔ اس کی پڑھائی بھی بہت متاثر ہوئی تھی۔ وہ خود بھی اب بھی کھارہی جاتی دونوں ہر جوڑے آنے والے مہمانوں سے بچنے کی حکمت عملی طے کرتی رہتیں۔

"اس سہنر کے بعد تم کہاں جاؤ گی؟" وہ پریشان ہو اٹھی۔

"وہ جتنی سے مسکرا کر کہتی۔ "جہاں اللہ لے جائے گا۔" وہ اس کی مبہم بات سمجھ ہی نہ پاتی۔

پھر اک شام سیف سہیل کو گھر کر لے آیا۔ وہ ہاروں اک دوسرے۔ سامنے خاموش بیٹھے رہے۔

"میں مجبور ہوں۔" سہیل نے جھجکتے ہوئے شروعات کی۔

"مجھ کو بھی مجبور نہیں ہونا سہیل مزاری!" صائمہ کی آنکھوں میں نمی آگئی۔

"ہم کسی ڈاکٹر کے پاس چلیں تو بہتر ہے بجائے یہاں فضول باتوں میں وقت ضائع کرنے کے۔"

صائمہ نے اپنے وجود کو وقت کی گمراہیوں میں نہ لے کرے ہوئے محسوس کیا۔

"خیر سارا میں اٹھاؤں گا۔ اس کی تم لوگ فکر نہ



جانی کی کوئی شکل کرتا، لڑکھارے سنبھلی اور وہ ذکر اس کو پکارتی تھی۔  
 ”مجھے زندہ گاڑ کر اب کہاں بھارتے ہو۔“ عزیزہ نے اس کی بات سے بے بسی سے دیکھ رہی تھی۔ جواب چڑانے پکڑنے کی کوشش میں آگ دو سرے کو مار رہی تھی۔  
 ”سنبھلی بھاگ کر باہر گاڑی تک آیا۔ سائبرہ سنبھلی اندر میں اس کے پیچھے بھاگی۔  
 ”تم مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔“ وہ گاڑی کے ساتھ آگئی۔ عزیزہ اس کے پیچھے بھاگی باہر گاڑی کی گاڑی پر چڑھ کر رہی تھی۔ آگ دو سرے اس سے پوچھنے کی بھی کوشش کی تھی مگر وہ تیزی سے باہر نکلی۔ گاڑی آگے بڑھی تھی اور اس کے پتوں کے پیچھے پکلا ہوا وہ خون میں لخت پت پڑا تھرا رہا تھا۔ اس سے پہلے سیف پوچھا تھا اس کی ناک اور منہ سے خون بہہ رہا تھا۔ سیف نے پوچھا کہ اس کی مدد سے اٹھا کر اسے اپنی گاڑی کی کچلی سیٹ پر ڈالا۔ عزیزہ سیٹ پر اسے دونوں ہاتھوں سے سنبھالے بیٹھ رہی تھی۔

”سیف! جلدی کرو۔“  
 سائبرہ کی سانسیں اکھڑتی جا رہی تھیں۔ پٹی پٹی آنکھیں ایک سی جگہ جم رہی تھیں اور اس سے عزیزہ عارف نے اپنا سارا اعتبار اعتماد ان آنکھوں میں ہی رکھ لیا۔

”رک جاؤ سیف!“ وہ چلا کر رونے لگی۔ ”اب کسی ہسپتال جانے کا کوئی قاعدہ نہیں۔“ آہستہ آہستہ گاڑی واپس آکر ہاسٹل کے دروازے پر رکی۔ محبت اس کی جان لے بیٹھی۔ کھائی اس کے ہنسنے مسکراتے وجود کو۔

لان کے چچ اس کا بے جان و دور کھا تھا۔ لڑکیاں بڑھ چکی تھیں۔ حالات جاننے کی کوشش میں لگی تھیں۔ کچھ اس کا ذکر نہ ہو رہی تھیں۔ تو کچھ بڑھ چکی تھیں۔ ”لڑکیوں کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے“ وہ اور زور زور سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ کچھ ہی دیر میں

پولیس لاش اٹھا کر نکلی گئی۔  
 ”یہ خود کشی کا کیس ہے“ کوئی خود کشی تھی۔ گاڑی کے سامنے۔ ”کارروائی وہیں مکمل ہو چکی تھی۔ اس کی حالت بہت سی خراب تھی۔ وہ ساری رات اپنے کمرے میں تڑپتی رہی خود کو کوئی رسی نہیں سہیل کو بلوایا۔ وہ اس کے پیچھے پہنچ گئی۔ اس کی لڑکیوں کو اٹھاتی جن میں لکھا ہوا جرنل سہیل کی محبت میں آئندہ حاکم ہوا تھا۔ روتے روتے ان کا گلا چنر کیا تھا۔ ساری رات آنکھوں میں نمی تھی۔ ایک منٹ کا عالم طاری تھا۔

راج اس نے اپنے گاؤں کے قریبی شہر اپنے کسی رشتے دار کو فون کر کے کہا کہ بلا لیا بھائی آ کر اسے لے جائیں۔ فون کر کے وہ بیٹھی ہی تھی کہ سائبرہ کے بھائی آگئے۔ اس سے حالات جاننے کے خواہاں۔ ان کے چہرے غصے سے تھے۔ ہونے آگئیں اٹھ اور چلے گئے۔ ہونے تھے وہ ان کو دیکھ کر بے ساختہ رونے لگی۔

”سائبرہ! اکثر رو کر کہتی تھی۔“  
 ”عزیزہ! تمہیں کیا پتا کہ میں اپنے بھائیوں کا مان تو ڈھیا۔“

اور پھر اس نے کچھ نہیں چھپایا جو جانتی تھی۔ وہ انہیں بتا دیا۔ اسے سہیل سے کوئی ہمدردی نہیں تھی۔ نفرت کا شدید احساس تھا اور کچھ نہیں اس نے چند خطوط اور ایک ڈائری کے علاوہ سب کچھ ان کے حوالے کر دیا۔ ”یہ ڈائریاں آپ کو ساری کہانی بتا دیں گی۔“

”پولیس کامنہ تو پیسوں سے بند کر کے تحقیقات سے روک دیتا نہیں اب میڈم عیدہ ان سے کیسے لے لے گی۔“

اس نے سوچا ان کے جانے کے بعد اس نے پیکنگ کی اور سیف کا انتظار کرنے لگی۔ اسے سنبھلی رات تک اسے بھائی لینے آجائے گا۔ اب یہاں تک پہنچ رہی تھی اس کے لیے حال ہو رہا تھا۔

اور جب سیف مصطفیٰ اس سے ملنے آیا تو وہ دروازہ کھول کر اس کے سامنے آ بیٹھی۔ اس کا خوف اس کے

چہرے سے چمک رہا تھا۔  
 اسے سخت دھچکا لگا۔ عزیزہ عارف اس سے خوف نہ رہا۔ کیا وہ مجھے بھی دنیا کے ان مردوں کے ساتھ لڑا کرے گی جو مردوں کو نہیں چھوڑیں گے شکار کرتے ہیں۔ اس کا شک نہیں میں بدل گیا۔ اب اس نے کہا۔ ”تم بھی مردوں کے معاشرے کے ایک مرد ہو۔“  
 ”نہیں۔ اور میرے والدین الگ ہو چکے ہیں۔“  
 وہ کہہ کر رکی نہیں تھی۔ مہلا سیف کی محبت اسے روک نہ لے۔ اسے سنبھلی تھا کہ وہ اسے سنبھلی تھا کہ ہار جاتی تھی۔ اس نے اس کی کوئی بات نہیں سنی اور رات بولے سے پہلے وہ ہاسٹل چھوڑ کر گاؤں کی طرف روانہ ہو چکی تھی۔



ایک سال گزر گیا۔ سیف کی توجہ دن بدن بڑھتی رہتی تھی۔ وہ سارا سارا دن کہیں عاتب ہو جاتا تھا اس کی غیر موجودگی میں کئی بار وہیں غلام مصطفیٰ اس کے کمرے کی تلاش کی بے پناہ تھی۔ مگر کوئی بھی نہیں ملا۔ وہ نہیں لی گئی۔ جس سے وہ کسی نیچے پر پہنچتا ہو جاتا تھا۔ سیف کے کمرے میں آگئے۔

”آج اس سے سب کچھ انکوائری گا۔ پیارے غصہ سب آنکھوں کا اس پر شاید کچھ بتا دے۔“

”کمرے میں نہیں تھا۔ واش روم سے پانی گرنے کی آواز نہ رہی تھی۔ اس کے پیچھے پر والٹ پڑا تھا۔ انہوں نے یہی ہی بے ارادہ اٹھا کر کھولا تو اس جستی ہوئی لڑکی کی تصویر نظر پڑی وہ حیرت سے دیکھنے لگی۔

”یہ تو وہی ہے! بالکل ہو اپنی ماں کا عکس۔“  
 اب انہیں اسے پہچان گئے تھے۔



عجب بات تھی۔ وہ اچانک اسے اچھی لگنے لگی تھی۔ ملائکہ وہ بچپن سے ان کے گھر میں رہتی تھی۔ گاند اس کی زیادہ جیتی بھی نہیں تھی اس کے ساتھ کرب و حال کی دلیلیں وہ اسے اچھی لگنے لگی تو اس نے کچھ سے بات مل کو بتا دی۔ مگر وہ اس کی طرف

ماٹل نہیں تھی اس کی لائی ہوئی چوڑیاں سب بچتے لائی ہوئی تھیں۔ تو اس کو تو اس کے گھر سے دور تھا۔ پھر اچانک اس کی آنکھیں کھلیں۔ وہ اور ادا عارف ایک دوسرے کو پہنچ کر رہے ہیں۔ پہلے پہل تو اسے غصہ آیا مگر پھر اس نے خود کو سمجھا لیا۔

ایک دن سب سے کافی سے آیا تو سنا کہ اس کی محبت عاتب سے ملے کر نکلا ہے۔ وہ حیران رہ گیا لیکن اب اسے کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں تھی۔ محبت کے بعد ان کی آپس کی بھلی چال و رسم و رواج کے مطابق بند تھی مگر اب اس کا بھائی بھی اس سے بات نہیں کرتا تھا۔ دونوں بھائیوں کے بیچ عیسائی تھا۔

پھر اس کے اچھان کے دنوں میں عارف جیسے لے کر نکلا۔ پھر ایک لڑکے سے بے تحاشا غصہ آیا۔ وہ کھوٹے سے پریش کر رہا تھا۔ ایشیئن آیا اور پھر سب شر پیچ کر کالج تک آیا تو پھر شروع ہو چکا تھا۔ اس کے گلاس ٹیچر کی کوشش کے باوجود اسے اچھان میں بیٹھنے نہیں دیا گیا تھا۔ پھر وہ اچھان ختم ہونے تک شہر میں ہی رہا۔ البتہ اسلامیات کے آسان پرستے میں اس کی سہیلی لگ چکی تھی۔

پھر ہی عرصے بعد اس نے باپ سے کہہ دیا کہ وہ نوکری کرنا چاہتا ہے۔

”یہ نہیں کون سنبھالے گا؟“ اس کا باپ نے حیرت سے کہا۔

”مجھ سے نہیں ہوتی یہ دوا دواؤں۔ ادا عارف دیکھ لے گا زمینوں کو۔“

”رہیں! لڑکا نوکری کرنا چاہتا ہے تو کرنے دے۔“ چار دن کا شوق ہے، مغفوری کرنا پڑے گی تو خود ہی چھوڑ کر بھاگ آئے گا۔“

اس کی ماں کے کہنے پر اس کے باپ نے اپنے کسی دوست سے کہہ کر اسے بینک میں ملازمت دلوا دی۔ وہ اس جاب کے سلسلے میں گاؤں سے باہر رہنے لگا تھا۔ جب اس کی شادی کی تیاریاں ہونے لگیں تو اسے گاؤں بلوایا گیا۔

”ساری عمر لوگوں کو دینے میں گزری ہے۔ اب



پنے کی باری تھی۔ اس کا باب خوش ہو رہا تھا۔  
 سوئی کی راتیں گاؤں میں تو زیادہ ہی لمبی ہو جاتی  
 ہیں۔ اس نے تاریخ اٹھا کر کھڑی ہیں یا کھڑے کھاتے رات  
 کے گیارہ بج رہے تھے۔ باہر چاندنی تھی سو اس نے  
 بالکل نہیں سو رہا تھا۔ وہ باغ و دم کی طرف جاتے جاتے رک  
 گیا۔ کسی کے ہاتھ سے کسی کی آواز آ رہی تھی وہ وہ  
 پاؤں تو اڑکی سے بچا۔  
 "تم مجھے زہر لاؤ۔ میں کھا کر مر جاؤں یہ اس سے  
 شادی نہیں کروں گی۔ میرا دل اسے قبول نہیں۔"  
 "میں عائد! زہر کھائیں گے تو دونوں کھائیں  
 گے پر میرے پاس ایک اور راستہ بھی ہے۔ ہم دونوں  
 پہلے سے گل چلیں۔ میرے پاس اتنا پیسہ ہے کہ  
 ہمیں کہیں بھی چل کر رہنے میں تکلیف نہیں  
 ہوگی۔"  
 "مر مارف! اگر ہم پکڑے گئے تو نہ اوھر کے رہیں  
 گے تو اوھر کے اس سے مر رہے تم زہر ہی لاؤ۔"  
 "وہ نہیں نہیں عائد! ہم جیب میں جا میں گے  
 نہیں پتا تو ہے کہ پورے گاؤں میں ایک ہمارے پاس  
 سواری ہے۔ یہ لوگ جب تک کھوٹوں پر شہر نہیں  
 گئے وہاں سے کوئی گاڑی لے لیں گے تب ہم ان کی  
 پیچھے سے دوڑ چلے جائیں گے۔ میرے چند دوست ہیں  
 جو ہمیں مدد دے سکتے ہیں۔ تو پریشان نہ ہو۔ ہم ایک  
 دو سرے کے بہتی ہی قتل کر سکتے۔"  
 آگے سننے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔ وہ آکر  
 چارپائی پر لیٹ گیا۔ یہ کیا ہونے جا رہا تھا۔ ان کے  
 دونوں پہلے خاندان کے لیے باعث ذلت ہوتے۔  
 ساری رات اسے غم نہیں تھی۔  
 دو سرے دن اس نے غم جانے کے بہانے عارف  
 سے جیب کی چابی لے لی تھی۔ شام کو جب وہ آیا تو  
 عارف نے اس سے چابی مانگی۔  
 "کیا تم اس وقت نہیں جا رہے ہو؟" اس نے  
 ریشم سے پوچھا۔  
 "نہیں! تم سو رہے مجھے کھانے لینے جانا ہے۔ تم دوپہر  
 سے اٹھتے ہو اس لیے ابھی ہے۔"

"مجھے قریبی گاؤں میں کچھ کام ہے میں راستہ کو  
 وہاں جاؤں گا۔ وہاں سے آؤں گا تم جب جاؤ تو مجھے  
 اٹھا کر چابی لے لینا۔"  
 وہ ہنسا ہنسا کر جیب لے آیا۔ گاؤں کے باہر اس نے  
 جیب کھڑی کر دی اور خود اس سٹلے کا دل سوچنے لگا۔  
 "اگر میں لبا کو بتا دوں تو بھی ایسی صرف بھانٹے  
 سے روک سکتا ہوں خود بھی ہے تو نہیں۔ کسی ذلت  
 ہوگی جب دو لاشیں اسٹیج انٹیں گی۔ لاکھ بھائی یا  
 سہی پر اس کی موت تو مجھے قبول نہیں اور عائد وہ  
 کیوں ہے کتا مرے اور یہی ذلت ہوگی جب وہاں  
 نکلنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔" وہ سگریٹ پر  
 منگھٹ چوٹا کر رہا۔  
 بالآخر وہ ایک تھپے پر پہنچ کر دوپہر رات کو گھر لوٹ  
 آیا۔ عارف جاگ رہا تھا۔  
 "میں نے سوچا کہ صبح تمہاری نیند خراب کر دوں گا  
 اس لیے تم سے چابیاں لینے کے لیے جا رہا ہوں۔" عارف  
 جھنجھکیا ہوا بولے۔  
 اس نے چابی جیب سے نکال کر اس کو تھمائی۔  
 "اوا! ہو دو راہیں تم نے سوچا ہیں ان پر بھی ذلت  
 ہے اور جو راستہ میں نے نکالا ہے اس پر بھی ذلت  
 ہے۔ جب تینوں راستوں پر ذلت کھڑی ہو تو عقل  
 مندی کا تقاضا ہے کہ اس راستے پر چلا جائے جس پر  
 ذلت کم سے کم ہو۔ جب اس گاؤں میں گل کا سورج  
 ابھرے تو اس کی کرنیں تمہارے اوپر اس گاؤں میں ہی  
 پڑنی چاہئیں۔"  
 عارف خوف زدہ ہو کر اسے دیکھا رہا کوئی جواب نہ  
 دے سکا۔  
 وہ ساری رات اپنے بستر پر بیٹھا۔ گھر سے جتا رہا تھا۔  
 کمرے کے دو سرے کونے پر رکھی چارپائی پر عارف  
 سونے کی ناکام اور آگاری کر رہا تھا۔ اس کے کمرے سے  
 باغیچہ کمرے میں اس کے ہاتھ پاپ کی چارپائی پر لی  
 تھیں۔ ان کے کمرے کے ساتھ جو کمرہ تھا اس میں  
 ناہید اور عائد سو رہی تھیں۔  
 دوپہر بازار چ بلا آ اور کھڑی ہو گیا۔ بلی بھی وقت

ابھی اس کے گھوڑوں کو نہیں ملی تھی۔  
 مرغوں نے آوازیں دینی شروع کر دی تھیں۔ وہ کچھ  
 دیر اور جاتا رہا۔ اس کے باپ کی کھانے کی آواز آ رہی  
 تھی۔ "تجربہ کے لیے اچھے چکا تھا۔ اسے پتا تھا کہ اب  
 لاشیں کی اور اچھے کر گر مپانی سے لبا کو وضو کروائے  
 کی وجہ سے سو سکتا تھا۔ سو بے سہارہ پر گر سکیا۔  
 دو سرے دن اس کے شادی سے انکار پر ٹیک کمرام  
 چھڑا تھا۔  
 "اس کو حیا شرم نہیں جب تاریخ طے ہو گئی ہے  
 جب کہتا ہے کہ میں اس سے شادی نہیں کروں گا۔  
 جب متعلق ہوئی تھی تب انکار کرتا۔ میری قییم بچی  
 میں اس کے لیے پانہ دیتا ہی کیوں۔ اب لوگ کھوٹو  
 کریں گے مجھ پر۔ میری بکری یاؤں میں ڈالنے کی بات  
 کر رہا ہے۔ تم من لو غلام مصطفیٰ! تمہاری شادی ہوگی تو  
 لبا عائد سے ہوگی۔" اس کا باپ گرجا۔  
 باپ کی اسی ضدی طبیعت کی وجہ سے تو اس نے  
 حقیقت نہیں بتائی تھی۔ وہ ہر صورت اس کی شادی  
 مانڈ سے گروائے گا۔ اس نے سوچتے ہوئے باپ کو  
 دیکھا۔  
 "میں شرمی لڑکی سے شادی کروں گا۔ آپ عائد  
 کی شادی ادا عارف سے کر دیں۔" اس نے سر اٹھا کر  
 کہا۔  
 "اس زیادہ فیصلہ نہ کر میں نے کہہ دیا کہ تمہاری  
 شادی طے ہے اور ہو کر رہے گی۔"  
 "میں بھی آپ کا بیٹا ہوں اب! جب طے کر چکا ہوں  
 کہ میں عائد سے شادی نہیں کروں گا تو پھر کسی قیمت  
 پر آپ کا فیصلہ نہیں مانوں گا۔"  
 "سن اپ اپنے بیٹے کی بات میرا فیصلہ نہیں تھا یہ تو  
 نے ہی بتایا تھا کہ یہ کہتا ہے عائد سے شادی کرے  
 گا۔"  
 "مجھے کیا پتہ! اس نے خود ہی تو مجھ سے کہا  
 تھا۔" وہ شہ پر گئے آگے کانپ رہی تھی۔  
 "دو چند سال پہلے کی بات تھی۔"  
 "اے! کیا کہتا ہے نامراد! چند سال پہلے کی بات

تھی۔ یہ بول نہ شادی یا کوئی نہ بول سکتا۔" وہ جب اللہ  
 "میں شادی کی صورت میں کر لوں گا۔"  
 "میں نہیں کھرتے نہاں میں کا غلام مصطفیٰ!"  
 "مجھے یہ فیصلہ نہ کر رہا ہے۔" اس نے کھنسی کھنسی  
 کہا۔  
 "جی نہا چل رہا نہیں ہے۔"  
 "کب ہوئے لی جوئے چھریں کہیں جوان  
 لوہے بھی انسان! بچے نکلن تار تار کا۔"  
 (ایک دن دو سری زمین پھوٹتے نہیں جوان  
 بار بار لوگ! وہ بھی انسان جو تک و ناموس پر ہمار  
 ہو جاتے ہیں۔)  
 اس کے باپ نے دکھ سے منہ دی۔  
 اس کا بیٹا چاہا کہ وہ سب کچھ اس وقت باپ کو بتا  
 دے کہ وہ عزت برقی تو سب کچھ قربان کرنے جا رہا ہے  
 مگر عارف کی التجائیہ نگاہیں اسے کچھ بھی بتانے سے  
 روک رہی تھیں۔ اسے یقین تھا کہ جب وہ گاؤں  
 چھوڑ دے گا تو عائد کی شادی عارف سے ہی ہوگی  
 اور ایسا ہی ہوا۔  
 اور اب اتنے سالوں بعد وہ کیسے جا کر اس بھائی کے  
 آگے دست سولہ دراز کرتا۔  
 "تم اس لڑکی کے لیے پریشان نہ ہو۔" سیلف باہر  
 نکلا تو اس نے پوچھا سیلف نے نظریں جھکا لیں۔ "میں  
 اسے جانتا ہوں۔"  
 اس نے سر اٹھا کر حیرت سے باپ کو دیکھا۔  
 "یہ رہیں عارف کی بیٹی ہے نا؟" اس نے تصویر  
 والا ہاتھ ہلا کر کہا۔  
 "جی ہاں! آپ کو پتا ہے اس کے گاؤں کا؟" ان کی  
 آنکھوں میں پانی آ گیا۔  
 اس نے بیٹے کو دیکھا اس کی آنکھوں کی نمی کو  
 دیکھا اس کا دل شفقت سے بھر گیا۔  
 "ہاں! یہ تیرے چاچا کی بیٹی ہے۔"  
 "وہ کچھ ایک سال ہونے کو تھا پر یہ سنبھلی نہیں۔"



و واقعہ اس کے ذہن و دل پر چھا گیا اسکا کہ کئی ڈاکٹروں کو دکھایا بڑا علان کر دیا لوی پر اس کو اتفاق نہیں ہوا۔ نہیں آئی جانی بھی نہیں۔ پر صحتی میں چھوڑ دی۔ بات کریں تو جواب دیتی ہے ورنہ خود سے بات بھی نہیں کرے گی۔ دیکھو یہ ہے پختی کسی میری بیٹی! اس چپ لگتی ہے اسے۔

و آبدیدہ ہو کر اپنی رشتہ دار عورتوں کو بتا رہی تھیں۔  
 "ہاں بانی عاتق! جو ان جہان لڑی ہے سمد حرائی۔ لوگوں کی آنکھ چڑھ گئی ہوگی۔ کوئی دم دغا کرواؤ۔" "اکی لوی دغا میں بھی بڑی کروا میں۔ پر یہ تو سارا دن اپنے کمرے میں ہی بڑی رہتی ہے۔ ہاں کتابیں دھاتی ہے بھائی کو نام لکھ کر دے گی کہ یہ لے آؤ۔ اس کتاب لکھا ہے اسے اپنے حال پر چھوڑ دو۔ وقت گزرنے کے بعد حد سے کی کیفیت سے نکل آئے گی۔"

اسے سخت غصہ آ رہا تھا۔ لہاں ہر آنے والے کے قے کی دیکھنے والے ٹٹھکتی تھیں کہ اس کی بیٹی زندگی کے بنگالوں میں حصہ نہیں لیتی اور وہ کیا بتائی ہاں کو کہ جن کی زندگی ہی محبت ہو اور وہ چمن جائے تو پھر زندگی کیسے سوئے۔

کئی راتیں گزر گئیں۔ جو اس کا ہجر اوڑھے آنکھوں میں کھینچے۔ کتنے ہی فراق کے سورج ابھرے اور جدائی کو مستقل کر گئے۔ وہ اک اک سانس کا حساب کرتی رہی جب اس کی یاد نہ آئی ہو۔ اک لکھ اک مل اک ساعت بھی ایسی نہیں گزری۔ جب اس کے خیال نے ساتھ چھوڑا ہو۔ وہ تو ہمیشہ دل کی دھڑکن کے ساتھ دھڑکتا ہے۔ کتنا چاہا تھا اس نے کہ وہ اس کی یاد سے واسن پہنچا لے اس کے خیال کو رونہ لے پر وہ تو زندگی کی رمتی بن کر اس کے دل کو دھڑکا رہا۔

اور عین و عارف کی آنکھیں خشک ہونے کو ترس گئیں۔  
 اس کی فینڈیں اس سے دور غمی رہیں اس سے چھڑ

کر پھر سکون میسر نہ ہو سکا۔ وہ بے مراء لکھوں میں جیتی رہی۔ محبت کے لکھوں میں جیتنے والوں کا ایک ہی ایسا ہو تا ہے کہ زندگی کے ترانوں میں ان کے دکھ سکھ خوشی و غمی کے پلڑے ہمیشہ برابر رہتے ہیں۔ محبت انہیں روحانی خوشی دیتی ہے تو قلبی درد بھی۔ خوش نصیبی اور بد نصیبی ان کے پلو میں ساتھ ساتھ بندھی ہوتی ہے۔

سب اس سے پوچھ پوچھ کر تھک گئے۔ اس کی زبان بالکل بند ہو گئی رہی۔ وہ کیا بتائی آکھ کے اندر سے فیصلے نے اس کے اعتبار کو کر پتی کر پتی کر دیا۔ اور اس نے خوف زدہ ہو کر تعلقات میں اس سے پھڑکنے کا فیصلہ کر لیا۔ مگر وہ تو اپنی اتالی سے ہی پھڑکتی۔ اپنے آپ سے ہی روٹھ گئی۔ اس کی شانہ مگر وہ لوٹ کر نہیں آئی۔ اور اس کی دھڑکن جو ہر آنے والے کے قدموں کی تھاپ سے بڑھ رہی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ معمول پر آئی۔

وہ اگر اپنی محبت میں واقفی سچا ہوتا تو ضرور لوٹ کر آتا۔ مگر سیف مصطفیٰ اقم بھی لکھتا ہاں جانی میں نے تمہیں چھوڑا تھا تو عورت کے انہی خوف سے ڈر کر اس خوف سے جو اس کے پیدا ہوتے ہی لوری کی صورت اسے سنایا جاتا ہے۔ دعاؤں کی صورت اسے بتایا جاتا ہے۔ اس کی آبرو کی حفاظت کی دعاؤں کے لیوں پر بھی وقت چلتی رہتی ہے اور وہ دعا اس کے اندر یوں گڑ جاتی ہے کہ اسے خود سے بھی خوف زدہ کر دیتی ہے۔

اس کے باپ نے بہتر چاہا کہ وہ پر صحتی و چھوٹے۔ فیروز اسے روزانہ پانچ سو روپے لے جائے گا۔ مگر وہ کسی قیمت پر پر صحتی جاری رکھنے پر تیار نہ ہوئی۔ وہ کیسے اس کے ساتھ بڑھ سکتی تھی۔ اس کا اعتبار کر پتی کر پتی ہو گیا تھا۔ سیف کو پتا تھا کہ سبیل شادی شدہ ہے وہ صائمہ سے طرث کر رہا ہے۔ تو وہ کم از کم مجھے تو بتا رہا پھر تو شاید صائمہ اس کی محبت میں اتنا آگے نہ بڑھتی۔ مگر اس نے جان بوجھ کر یہ بات چھپائی۔ وہ سو ہے اس نے ایک مرد کو عورت کا شکار کرنے کی اجازت

دے دی۔ تو اس کیسے اس پر اعتبار کر لیں! اس نے بڑے احمق کو خود اپنے پاؤں سے روندنا ہے۔ وہ جب ہی سوچتی پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی اس کا تکیہ ہمیشہ اس کے آنسوؤں کی لڑائی سے ٹپٹا ہوتا۔

مگر وہ دل سے دکھنا کیوں نہیں۔ لاکھ اسے جھٹاؤں! جیسے اس پر اعتماد نہ کروں۔ وہ میرے لہو میں دوڑتا ہے بیات بن کر۔  
 اس بار خاندان کی شادی میں جب پچھو ٹاپر کی بیٹی نے اس سے کہا "چلو لاؤں دیکھنے چلیں" تو اس نے اس مسکراہٹ سے کہا۔  
 "مجھے اپنا بڑا حوینہ نے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ مجھے ہے خاندان کے لڑکے بھی اس رسم پر جمع ہوتے ہیں۔ لڑکی پسند آئے تو صحت رشتہ بھیج دیتے ہیں۔" وہ اس کی باتوں پر تیار ارض ہو کر چلی گئی تھی۔  
 "اکی بانی عاتق! کسی نے تیری بیٹی پر تعویذ تو نہیں کئے۔" پچھو ٹاپر کی انگولی منہ نے نیا شوش چھوڑا تھا۔

وہ خیالات کی دنیا سے واپس آئی۔ "خون میں ہلکی ہلکی دھوپ سینکے ہوئے برآمدے میں دیکھا جہاں تخت پر بیٹھی اور رشتہ دار عورتیں لہاں کوئی نئی بنیاں پر مصارفی تھیں۔

"محبت سے بھی بڑا کوئی تعویذ ہے بھلا۔" وہ دکھ سے مسکرائی۔  
 "ہاں لوی ہاں! کسی نے کلا جادو تو نہیں کر دیا۔ اللہ مارے ان موئے بھیلوں اور بھوپوں کو۔" کلم کر دیا ہے انہوں نے۔ "دوسری عورت نے ہاں میں ہاں ملائی۔" "محبت کا اتنا بھی ایک روپ دیکھا میں نے کہ جس کے آگے کلا جادو بھی کچھ نہیں۔" وہ غمی سے سوچنے لگی۔

"اکی لوی! اس طرف تو میرا خیال ہی نہیں گیا۔ بھلا میری تو کسی کے ساتھ دشمنی نہیں ہے۔" وہ ایک دم پڑھان ہو گئی۔  
 "اکی لوی دشمنی کا کیا کہتی ہو! یہاں تو لوگ خواجواہ ملے (بزرگوں شعل) کو سچے نہیں دیکھنا پسند نہیں

کر تھیں۔ بھوکے کو دیتے نہیں۔" "کب لہاں ان کی باتوں میں اثر نہیں مجھے کہیں کہیں کھینچی پھرتی کی۔" یہ سوچ کر ہی اسے کوفت ہو رہی تھی۔ یہ مامیں بھی جس بھی مصلحت نہیں ہو تھیں۔

انہیں گاؤں میں آئے تھیں سال ہو چکے تھے۔ جب وہ آخری بار لہاں کی وفات پر آئے تھے۔ خان محمد حالیہ راستوں سے واقف تھا۔ وہ ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ وہ اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھتے تھے۔ پچھلی سیٹ پر مریم اور سیف امید و نیم کی کیفیت میں گھڑے بیٹھے تھے۔ ساول کے نوٹے رابطے بحال ہوں گے یا نہیں! ٹھلوک کنڈلی مارے لہاں کے درمیان بیٹھے تھے۔ نکلیں اور مکالمہ بدل چکے تھے۔ گھڑوں کی دھڑکت اور اسکول بھی لہاں کو نظر آیا تھا۔

وہ گیٹ سے اندر داخل ہوئے رتھیں عارف نے حیرت سے غلام مصطفیٰ کو آتے دیکھا۔  
 "تم۔ تم غلام مصطفیٰ! وہ آگے بڑھے مورو بھی بڑھ کر ان کے گلے لگ گئے۔

"بھلا۔ بھلی کرے آئیں۔" وہ آبدیدہ ہو گئے۔ چھوٹے بھائی کے لیے دل میں سوتی ہوئی محبت جاگ اٹھی انہیں گلے لگائے ان کی پشت پر ہاتھ بچھ رہے تھے۔

دونوں بھائی اب عمر کے اس دور میں ماضی کی سب تلمیحاں بھلا چکے تھے۔  
 "اوا! یہ بیٹا ہے میرا۔ سیف۔" رئیس عارف نے خوش دلی سے ہنستے ہوئے اسے گلے لگایا۔

"تیرا بیٹا ہے تو میرا بھی بیٹا ہے۔" "ہاں! یہ بالکل ٹھیک بات کی آپ نے۔" وہ ہنسے۔ "آجاء۔ بھاجائی۔ آجاء اندر آکر بیٹھو۔ ہم خوشی میں باہری کھڑے باہیں کر رہے ہیں۔" "اوا! آجاء کے کی دھوپ بھی گرم نہیں لگتی۔"



